نظرات

اسٹیٹسمین مورخہ ۲۶ جنوری کے ضمیمہ جمہوریت نمبر میں عہد حاضر کے مشہور مورخ پروفیسر اے جے ٹوئن بی کا جو ایک مقالہ گاندھی جی کی تعلیمات اور عہد حاضر پر شائع ہوا تھا اسکے آخری حصہ میں انھوں نے خواہ مخواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرکے ایک ایسی بات لکھ دی جس سے بجا طور پر مسلمانوں کی دلآزاری ہوئی۔ چنانچہ کلکتہ میں اس پر ہنگامہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں متعدد مسلمان پولیس فائرنگ کا نشانہ بن گئے۔ لیکن ہمیں نہ بھولنا چاہئے کہ یہی پروفیسر ٹوئن بی ہیں جنھوں نے اپنی متعدد کتابوں اور مقالات میں اسلامی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی بڑی تعریف کی ہے، بلکہ ایک جگہ تو انھوں نے یہانتک لکھ دیا ہے کہ موجودہ دنیا جو طرح طرح کی عصبیتوں میں جکڑی ہوئی ہے اور جن کیوجہ سے بنی نوع انسان کو ہلاک ہوجانیکا خطرہ ہر وقت درپیش ہے اسکو اگر نجات مل سکتی ہے تو اسلام کے اس سماجی نظام کو اپنانے سے ہی مل سکتی ہے جس نے رنگ و نسل اور قومیت و وطنیت کے تمام امتیازات کو ختم کر دیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ انھوں نے مقالہ مذکورہ میں ایسی دلخراش بات کیوں لکھی؟ اصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی خاص تعلیمات اور پھر خود انکی اپنی زندگی کے باعث مذہب، روحانیت اور پیغمبری کا تخیل میں جو تصور رہا ہے وہ اسلام کے تصور سے مختلف ہے۔ مسیحیت میں روحانیت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے اور زندگی ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت الٰہی میں بسر کیجائے۔ گویا مسیحیت کے نقطۂ نظر سے دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے منافی۔ اس تصور کے ماتحت یہ حضرات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں ایک سیاسی قائد اور ایک فرمانروا کی زندگی نظر آتی ہے انکے خیال میں اصل روحانی زندگی وہی ہے جو حضرت عیسیٰ کی تھی اور جس کو سیاست "تاہل" اور اجتماعی و مدنی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ مسیحیت میں روحانیت کے اس تصور کے باعث ہی رہبانیت پیدا ہوئی۔ روحانیت کا یہی تصور ہندو مذہب و فلسفہ، بدھزم اور جینیزم میں پایا جاتا ہے لیکن ان سب مذاہب کے برخلاف اسلام میں دین اور روحانیت یا دین اور دنیا دو الگ چیزیں نہیں ہیں اس بنا پر تقرب الی اللہ حاصل کرنیکے لئے ایک مسلمان کو ہرگز اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ترک دنیا کرکے ایک گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھے کسب معاشی کیلئے کوئی جدوجہد نہ کرے، شادی بیاہ سے اجتناب کرے اور اگر نکاح ہو چکا ہو تو [illegible] ایک سپاہی جو میدان جنگ

میں گھوڑا اڑائے دشمن پہ وار پر وار کر رہا ہے اور ایک فرمانروا جو ملک کا نظم و نسق چلا رہا ہے اور ایک مزدور جو کارخانہ میں کام کر رہا ہے یہ اور اسیطرح کے دوسرے پیشہ ور لوگ جو اپنے فرائض و خدمات انجام دے رہے ہیں یہ سب روحانیت کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جن پر ایک عابد مرتاض جو گوشہ تنہائی میں بیٹھا دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھتا فائز نہیں ہو سکتا بشرطیکہ ان تمام لوگوں کی اپنے اپنے دائرہ عمل میں جدوجہد اور کوشش اللہ اور اسکے رسول کے احکام کے ماتحت کامل خلوص و اخلاص کے ساتھ ہو اور کسی حظ نفس کے جذبہ سے نہ ہو۔ دین اور روحانیت دونوں کا مقصد ہے خدا کی کامل اطاعت اور بندگی اور اس بندگی کا مطالبہ ہے اپنی اصلاح و تعمیر کے بعد جہان کی تعمیر و اصلاح اس بنا پر ہر وہ عمل جس کا تعلق تعمیر جہاں سے ہے وہ عین دین بھی ہے اور عین روحانیت بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سب کیلئے ایک اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ جس طرح دین یعنی طاعت الٰہی کے کامل ترین نمونہ تھے اسیطرح روحانیت کے مظہر اتم بھی تھے حضرت عیسیٰ بے شبہ اللہ کے بہت بڑے پیغمبر تھے۔

لیکن دین جو روحانیت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے اس کی مکمل تشریح اور توضیح اور اسکے تمام عناصر و اجزا کی تکمیل و تتمیم اسی نبی عربی پر ہونیوالی تھی جس کی آمد کی بشارت اور جب وہ آجائے تو اسکے اتباع کا حکم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا۔ اس بنا پر اب دین کا کوئی معاملہ ہو یا روحانیت کا ہمیں اسکا حل بہرحال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کی روشنی میں ڈھونڈھنا ہوگا۔

پروفیسر ٹوئین بی اور بعض اور مستشرقین یہ تو دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی زندگی کے آخری دس برسوں میں جنگیں لڑیں۔ مملکت کا نظم و نسق قائم کیا دیوانی اور فوجداری قواعد و ضوابط مرتب فرمائے۔ فرامین جاری کئے۔ شاہانِ زمانہ و امرائے قبائل کو خطوط لکھے۔ مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ محصولات (زکوٰۃ اور جزیہ و خراج وغیرہ) وصول کئے۔ مجرموں کو سزائیں دیں غرض کہ وہ تمام کام کئے جو ایک ذمہ دار شخص کو بحیثیت صدرِ ریاست انجام دینے پڑتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ محمد رسول اللہ صلعم کا طریق کار اور طرز عمل ہر منزل اور ہر مرحلہ میں اس سے بالکل مختلف اور جدا ہے جو اس قسم کے مواقع پر دنیا کے دوسرے فرمانرواؤں اور حکمرانوں کا ہوتا ہے۔ بدر کے میدان میں معرکہ کارزار گرم ہے مسلمان دنیا میں پہلی بار اپنے سے تین گنا زیادہ

اور ہتھیاروں سے مکمل طور پر لیس دشمنوں کے مقابلہ میں مصروف جنگ ہے۔ تلواریں چل رہی اور نیزے لپک رہے ہیں لیکن ٹھیک اسی عالم اضطراب و کشمکش میں ایک وجود قدسی ہے جس پر خوف و ہراس کے بجائے خشوع و خضوع کا عالم طاری ہے اور وہ آسمان کیطرف دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا ہے خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر۔ احد کی وادی میں دشمن نے عقب سے حملہ کر دیا ہے اور مسلمان تتر بتر ہو گئے ہیں اسلام کے لئے یہ بڑی نازک گھڑی ہے لیکن اس ہنگامہ دار و گیر میں بھی ایک وجود مسعود ہے جو اپنے چند جانثاروں کی حفاظت میں کھڑا دعا کر رہا ہے: رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون "اے اللہ میری قوم کو بخش دے۔" انگلی دشمن کے ایک تیر سے زخمی ہو گئی اور اس سے خون جاری ہے لیکن لب مبارک پر رجز ہے "ھل انت الا اصبع دمیت، فی سبیل اللہ ما لقیت" تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اور تو نے جو کچھ پایا ہے وہ خدا کے راستہ میں ہی تو پایا ہے۔ مکہ فتح ہوا ہے اور بڑے سے بڑا اسلام اور مسلمانوں کا دشمن پکڑا ہوا آیا ہے لیکن رحمت عالم کیطرف سے اعلان عام ہے۔ لا تثریب علیکم اور سب کی جان بخشی کر دی گئی ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مکہ اور طائف کے جن کافروں کے کچھ حقوق ہجرت سے پہلے کے مہاجرین کے ذمہ تھے یہ لوگ ان کا مطالبہ کرتے جاتے اور سرور کائنات انہیں ادا کرنے کا حکم دیتے جاتے تھے۔ اموال غنیمت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ مل رہے ہیں لیکن کاشانۂ نبوی میں فقر و درویشی کا وہی عالم ہے کہ کئی کئی وقت چولھے کو آگ کی شکل دیکھنی بھی نصیب نہیں۔ غرض کہ شکست ہو یا فتح۔ دوستوں اور عقیدتمندوں کی بزم ہو یا میدان رزم۔ کسی حالت اور کسی کیفیت میں خشیۂ ربانی۔ توکل علی اللہ۔ صبر و رضا اور اخلاق فاضلہ کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ بڑے سے بڑے اشتعال انگیز موقع پر بھی قدم ذرا جادۂ اعتدال و عدل سے نہیں ہٹتا۔ ایک لمحہ کے لئے احکام خداوندی سے غفلت نہیں ہوتی۔ اب پروفیسر ٹوئین بی بتائیں کہ کیا روحانیت کی معراج اس کے سوا بھی کچھ اور ہے؟ صومعہ و مسجد اور دیر و خانقاہ روحانیت کی جلوہ گاہ ہیں لیکن میدان جنگ اور تخت حکومت روحانیت کی اصل امتحان گاہ ہیں